اداریہ

انسانی تاریخ استعاروں اور مجاز مرسل کی چلتی پھرتی فوج ہے۔ یہ بات ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ پہلے نطشے نے کہی تھی۔ استعاروں میں تعبیر کیے جانے کا بلاوہ ہوتا ہے ؛ اپنے معانی کے نمود وظہور کی دعوت ہوتی ہے۔ اس دعوت وبلاوے کا جواب کیسے دیا جاتا ہے؟ کسی استعارے کی تعبیر کیا ہوتی ہے، اس کا انحصار معبر پر ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا کی معاصر صورتِ حال، تاریخ کے استعاروں کی استبدادی تعبیر کے سوا کیا ہے؟ ہم نے یہ تمہید ایک اور مقصد کے لیے باندھی ہے۔ دراساتِ اردو (Urdu Studies) بھی ادبی تحقیق و تدریس کی تاریخ کا ایک استعارہ ہے ؛ اس میں عسکری خصوصیت تو نہیں مگر معانی کی طاقت—— جو ادبی مطالعات کی عمومی روش کو بدل سکتی ہے—— ضرور موجود ہے۔ ہم ان صفحات میں اسے سمجھنے کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔

دراساتِ اردو کی ترکیب پہلے پہل وسکانسن یونیورسٹی کے مجلّے ''اینول آف اردو سٹڈیز'' کے ذریعے ۱۹۸۱ء میں سامنے آئی تھی۔ اس عہد ساز مجلّے کا آغاز سی۔ ایم۔ نعیم نے کیا تھا۔ کیا یہ اصطلاح شمالی امریکا کی جامعات میں جاری ''لٹریری سٹڈیز'' سے اخذ کی گئی تھی؟ پہلا سوال ذہن میں یہی پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ دراساتِ اردو کے نسب نامے (genealogy) کی جستجو میں شمالی امریکی دراساتِ ادبی سے اس کے رشتے پر غور کرتے، ہم نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس کے پہلے مدیر سی۔ ایم۔ نعیم سے دریافت کیا جائے کہ اس اصطلاح کے ضمن میں ان کے ذہن میں کیا تھا۔ انھوں نے راقم کے استفسار کے جواب میں لکھا کہ ''امریکا میں انگریزی کے شعبوں میں کیا ہو رہا تھا، اس طرف میں نے کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔ تنقید میں میری دل چسپی کی آخری منزل نئی تنقید تھی جسے میں مفید سمجھتا ہوں۔'' راقم نے اپنے سوال میں یہ بات شامل کی تھی کہ'' کیا محض اردو اور اس سے وابستہ کلچر پر عالمانہ مضامین، تراجم اور تبصرے اور خبریں انگریزی قارئین تک پہنچانا مقصود تھا، کسی مخصوص نظریے کے بغیر؟'' نعیم صاحب نے لکھا کہ'' میرا مقصد بالکل یہی تھا۔ نیز اس جرنل کے دروازے ہر اس چیز کے لیے کھلے تھے جس کا ذریعہ ابلاغ اردو تھا یا وہ سب کچھ جس سے اردو بولنے والے متاثر ہوتے تھے یا جس سے ان کی زندگیوں پر کسی قسم کی روشنی پڑتی تھی۔'' راقم نے یہ سوال نہیں کیا مگر نعیم صاحب نے یہ لکھنا مناسب سمجھا کہ وہ جنوبی ایشیا کے اردو قارئین کی توجہ بھی اس جرنل اور اس کے مندرجات کی جانب مبذول کرانا چاہتے تھے۔ گویا ان کے پیش نظر صرف مغرب کے قارئین نہیں تھے۔ یہی مقصد حال ہی میں لیڈن سے اپنی اشاعت کا آغاز کرنے والے ''جرنل آف اردو سٹڈیز'' کے پیش

نظر ہے۔ ان دونوں جرائد کی خدمات کی ستائش کی جانی چاہیے۔ بنیاد نے اوّل روز سے خود کو دراساتِ اردو کی روایت سے وابستہ کیا ہے۔ یہ ایک طرح سے ''اینول آف اردو سٹڈیز'' کی ان کوششوں کو خراج تحسین تھا جو اردو ادب سے متعلق اعلیٰ پائے کے مضامین، تراجم اور تبصروں سے عبارت تھیں۔

اگرچہ سی۔ ایم۔ نعیم صاحب نے لکھا ہے کہ انھیں نئی تنقید کا دبستان مفید محسوس ہوا تھا لیکن ان کے جرنل نے اردو کی ثقافتوں کا تصور متعارف کروایا۔ یہ تصور نئی تنقید سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ نئی تنقید، ادبیت کا ایک اشرافی تصور رکھتی تھی ؛ اس کے تحت لکھی گئی تنقید کی تحسین ادبی علما کی اقلیتی اشرافیہ کرسکتی ہے۔ جب کہ دراساتِ اردو میں اردو کی کثیر ثقافتوں، کثیر آوازوں، اور کثیر صورتوں کو پیش کیا گیا تھا۔ پاکستان کے اردو شعبوں کے لیے دراسات کا یہ تصور اجنبی ہے۔ یہاں کے دراسات کی دنیا پر پرانے اور نئے کلاسیک کی حکمرانی ہے۔اردو میں لکھے گئے وہ متون جو لوگوں کی زندگیوں پر حقیقی طور پر اثرانداز ہوتے ہیں،انھیں ملامت کی نظر سے تو دیکھا جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا اوران کی مدد سے سماج میں جاری کش مکش کو سمجھنے کا تو سوال ہی نہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ اردو سٹڈیز کی اصطلاح کا ایک تعلق وہاں کی لٹریری سٹڈیز سے ضرور ہے۔ کیا یہ فرض کرنا درست نہیں کہ اردو سٹڈیز کے اصل مخاطب امریکی طلبا، اساتذہ اور دانش ور تھے اور انھوں نے اس کی تفہیم لٹریری سٹڈیز کے حوالے ہی سے کی ہوگی۔بنیاد کے مخاطب اور قارئین، جنوبی ایشیائی ہیں اور اس کے دروازے ان سب تحریروں کے لیے کھلے ہیں جن کا اردو کی ثقافتوں سے تعلق ہو۔

دراساتِ ادبی کے حوالے سے اگر کوئی بات وثوق سے کہی جاسکتی ہےتو یہ ہے کہ وہ انسانیات (humanities) کی روایت سے منسلک ہے۔اس میں نئی تنقید، جسے ہیئتی تنقید کہنا زیادہ درست ہے، کو استثنا حاصل ہے۔ نئی تنقید ادب کو خود مختار سمجھتی تھی ؛ادب کو تاریخ و دیگر سماجی علوم سے الگ کرکے دیکھتی تھی ؛متن ہی سب کچھ تھا۔لیکن آج ساٹھ برس بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ادب کی ہیئت کو سب کچھ سمجھنا بہ ظاہر تو ادب کی جمالیات (جو ہیئت میں مجسم و ظاہر ہوتی ہے) کا تحفظ تھا لیکن اس کے گہرے سیاسی مضمرات تھے۔ جب آپ ادب کے ہیئتی و لسانی حسن کو ایک مطلق قدر کا درجہ دیتے ہیں تو یہ عمل ادب کی اصل کے دوسرے اہم جز —— مواد —— پر تشدد ہے اور اسے خاموش رکھنے کا فائدہ سوائے سیاسی اشرافیہ کے کس کو ہوسکتا ہے؟ادب کثیر آوازوں کو کثیر اسالیب اور ہیئتوں میں پیش کرتا ہے۔ ایڈورڈ سعید کی بعد از مرگ (۲۰۰۴ء) شایع ہونے والی اور آخری مکمل کتاب *Humanism and Democratic Criticism* میں دراساتِ ادبی اور انسانیات کے رشتے پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔امریکا کی علمی و دانشورانہ اشرافیہ کے درمیان رہ کر مغرب کی علم کی سیاست کی نمایاں اور مخفی تہوں کو بے نقاب کرنے والے، فلسطینی عرب، سعید نے ادب کی تدریس و تحقیق پر بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔سعید نے مذکورہ کتاب میں واضح کیا ہے کہ دراساتِ ادبی کو مسلسل ایک سوال

درپیش رہتا ہے: ادب کی دنیااور باہر بدلتی حقیقی دنیا کے فاصلے کو کیسے مٹایا یا کم کیا جائے۔وہ ادب کے استاد اور محقق کے لیے کسی ایسے جنت نما گوشے کے تصور کی حمایت نہیں کرتا جہاں وہ دنیا جہان کی فکروں سے آزاد ہوکر ادب کی جمالیات سے لطف اندوز ہو اور اپنے قارئین اور طلبا کو اسی پر اکتفا کرنا سکھائے۔ وہ ادب کی تخیلی دنیا کے ذریعے، حقیقی دنیا کو سمجھنے کے تصور کا حامی ہے۔گویا ہم ادب میں خود اپنے آپ اور اپنی دنیا کو فاصلے سے مگر زیادہ توجہ کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔

سعید مذکورہ سوال کے جواب کے لیے بار بار ''ہیومنزم'' (وہ اسے صرف انسان دوستی یا بشر مرکزی مفہوم میں استعمال نہیں کرتا) کی طرف پلٹتا ہے۔صرف اس لیے نہیں کہ جامعات میں ادب کے شعبے، انسانیات کی فیکلٹی کے تحت آتے ہیں (البتہ ہماری سرکاری جامعات میں طرفہ صورت ہے۔یہاں اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے شعبے اب تک علومِ شرقیہ یعنی Oriental Learning کے تحت ہیں۔علومِ شرقیہ کی اصطلاح، ماضی کے سفید حکمرانوں نے یہاں کے علوم کو اپنی زبانوں اور ادبیات سے جدا اور کم تر سمجھنے کے لیے وضع کی تھی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ پاکستانی جامعات میں انسانی علوم کی فیکلٹی موجود ہے اور مغرب کی زبانیں، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ انھی کے تحت ہیں)۔ بلکہ اس لیے بھی خود ادب کا بنیادی موضوع انسان اور انسانی دنیا ہے۔سعید بار بار زور دیتا ہے کہ انسانی دنیا سے اس کی مراد وہ دنیا ہے جسے مرد وعورت تشکیل دیتے ہیں اور جسے انسانی عقل کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔وہ اطالوی گیمبتستا وکو کے verum-factum اصول کا حوالہ دیتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''جسے ہم نے بنایا ہے اور اسے ہم جانتے ہیں اور جاننے کا مطلب یہ جاننا ہے کہ کوئی چیز کیسے بنی ہے''۔ ادب جس سچائی کو پیش کرتا ہے، اس سچائی کی تشکیل کیسے ہوئی ہے اور یہ سچائی، حقیقی دنیا کی سچائیوں کو سمجھنے اور ان کے استبداد سے نجات میں کیسے مدد کرسکتی ہے؟ یہ سوال اٹھائے رکھنا ادب کے ہر استاد اور محقق کی ذمہ داری ہے، جو کسی اور نے نہیں خود اس پیشے سے وابستگی اور ایک سماج کے شہری ہونے کی حقیقت نے اس پر عائد کی ہے۔سعید کے مطابق، اس طرز فکر کے سبب دراساتِ ادبی کی روایت جمہوری مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ادب اور خصوصاً فکشن اپنی روح میں جمہوری ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کے کرداروں، ہر طرح کی صورتِ حال اور نئے پرانے سب زمانوں کو کسی مخصوص آئیڈیالوجی کی مداخلت کے بغیر پیش کرتا ہے۔اس کی تدریس وتحقیق وتنقید میں بھی یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے۔

اس شمارے میں شاعری، فکشن، تاریخ، تنقید، ترجمے اور لسانیات پر تازہ مقالات شامل ہیں۔ ان میں نئے زاویوں سے موضوع کو سمجھنے کی کوشش ملتی ہے۔ان کے علمی وتحقیقی معیار کو بہتر بنانے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ ہم اپنے لکھنے والوں سے گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ دراساتِ اردو کے اس تصور کی روشنی میں قلم اٹھائیں جو اردو کو کثیر ثقافتوں کا علم بردار سمجھتا

ہے۔ روایتی تحقیق بھی جاری رہنی چاہیے، شرط یہ ہے کہ اس کی عالمانہ شان بھی وہی ہو جس کا مظاہرہ ہمارے مشاہیر کے یہاں ملتا ہے اور معاصر اردو ادب پر بھی پوری عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ نئے تناظرات میں لکھا جانا چاہیے۔

اس سال کا آغاز کووِڈ-۱۹ کی وبا سے ہوا، جس نے پوری دنیا کو تا حال اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہم سب ایک بڑی تاریخی تبدیلی کو رونما ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ سب سے زیادہ متاثر ہونے والے شعبوں میں معیشت اور تعلیم شامل ہیں۔ سب مشکلات کے باوجود ہم نے بنیاد کو بروقت شایع کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ الحمد للہ۔

اس وبا کے دوران ادب کئی ممتاز ہستیاں ہم سے بچھڑ گئیں۔ آصف فرخی ایک صاحب نظر ادیب اور بنیاد کے علمی معاونین میں شامل تھے۔ مظہر محمود شیرانی بلند پایہ محقق اور ممتاز نثر نگار تھے۔ ممتاز شاعر محمد خالد، احفاظ الرحمٰن، سرور جاوید، اطہر شاہ خاں جیدی، تاج بلوچ، شوکت مغل بھی اسی دوران رخصت ہوئے۔ بنیاد ان سب مرحومین کے خاندانوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

آخر میں ہم ہائر ایجوکیشن کمیشن کے اربابِ اختیار کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اردو کے تحقیقی جرائد کو اس وقت اپنی بقا کا سخت مرحلہ درپیش ہے۔ اس کا ایک سبب مالی مشکلات ہیں تو دوسرا سبب کمیشن کی طرف سے دی جانے والی بعض ایسی ہدایات ہیں جنھیں پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر پورا کرنا دشوار ہوتا ہے۔ ہم اس امر پر خاص طور پر زور دینا چاہتے ہیں کہ اردو کے ضمن میں پاکستان ہی ''سائنسی طور پر ترقی یافتہ'' ملک ہے؛ صرف اس لیے نہیں کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ معاصر اردو دنیا کے بڑے تخلیق کار، فکشن نگار، محقق، نقاد پاکستان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو کی تعلیم و تدریس کے لیے سب سے زیادہ شعبے بھی یہیں ہیں۔ لہٰذا جرائد کے مقالات کے ریویو ہوں یا ان کی تلخیص کی اشاعت، اس ضمن میں پاکستانی ماہرین اور اداروں کو ترجیح دینا منطقی طور پر درست ہے۔

ناصر عباس نیّر

۲۰ جون ۲۰۲۰ء